کتاب نما

سرمایہ حیات : از پروفیسر اسرار احمد سہاوری۔ناشر: فروغ ادب اکادمی' ۱۰۸ بی' سیٹلائٹ ٹاؤن' گوجرانوالہ۔ قیمت ۱۰۰ روپے۔

عجیب بات ہے' جتنی زیادہ یگانگت جدھر ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ کوتاہی واقع ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب تو میرے اپنے ہیں' اور میرے بالکل پاس ہیں۔ پھر کمال یہ کہ نہ وہ اصرار کرتے ہیں' نہ وہ گلہ شکوہ سے کام لیتے ہیں' بلکہ کسی نہ کسی جانب سے ان کی محبت متبسم ہو کر نمودار ہوتی ہے۔ لہٰذا ساری کوتاہیوں کے باوجود دل خوش ہو جاتا ہے۔ مگر میں اپنی کوتاہی کا بصد شرمساری اظہار کرتا ہوں'کیونکہ ایک قیمتی بلکہ نایاب محب کے دل میں ذرا بھی چبھن رہے تو میرے سینے میں سانپ لوٹتے رہیں گے۔

ابتدا میں تو ہلکا سا اپنا تعارف ہے۔ مہاجرت' سنٹرل ایکسائز انسپکٹری' حافظ آباد میں رہائش' پھر جماعتی دباؤ کے تحت نوکری چھوڑ کر شرکت انتخابات' ناکامی پھر دوکانداری' پھر ناکامی' پھر "ریکاری دور" (یعنی پیغمبروں کا سا زمانہ)' پھر مجلس زبان دفتری کے تحت قانونی اصطلاحات کے ترجمے کا مشغلہ' پھر مزید تعلیم (ڈبل ایم ۔ اے)' پھر اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں لکچرر شپ اور پھر---! سرمایہ حیات ہی کے تحت ذہنی' فنی اور خدمتی رجحانات کے ذکر میں شخصیت اسرار کی جھلکیاں۔ زندگی کے تین واقعات بڑے اہم ہیں۔ پھر سوانح کے عنوان سے سیاسی (تحریک اسلامی) کی حکایت کا آغاز سی آئی ڈی کے شاہ صاحب کے ذکر سے کیا ہے۔ پھر کچھ ناول جیسی حکایت۔ بعد ازاں "مختلف شخصیات سے ملاقات" کا مفصل بیان' قائد اعظم' خان لیاقت علی خاں شہید' حسین شہید سہروردی' میاں افتخار الدین' ائر مارشل اصغر خان' اندرا گاندھی' نواب بہادر یار جنگ' ڈاکٹر ضیاء الدین' مولانا ابو الاعلیٰ مودودی' کوثر نیازی' ملک نصراللہ خاں عزیز اور پھر نعیم صدیقی (راقم ہذا)' نواب حبیب الرحمان خاں شیروانی' نواب مزمل اللہ خاں شیروانی۔ پھر سرمایہ حیات کے تذکرہ شخصیات کا دوسرا سلسلہ آتا ہے۔ شعرا اور دانش ور حضرات اصغر گونڈوی' جگر

مراد آبادی' حفیظ جالندھری' شہرت بخاری' مرزا محمد منور' حفیظ تائب' حافظ لدھیانوی' انور مسعود' پروفیسر رشید احمد صدیقی' حکیم احمد شجاع' علامہ صدیقی' ڈاکٹر برہان احمد فاروقی' نذیر نیازی' سید قاسم محمود۔ پھر اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کے پروفیسروں کا ذکر چلتا ہے' کچھ شاگردوں کا بھی۔ پھر گوجرانوالہ کے شعرا آتے ہیں۔ اکثر جانے پہچانے اور قریبی ہیں۔ خاصی تعداد ہے۔ ان سب حضرات کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ جیسے کہانیوں کے ٹکڑے پھیلے ہوئے ہیں' بہت سی معلومات اور کچھ لطائف' کچھ اشعار۔

قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

اصل مضمون " میرا نظریہ ادب " ہے جو سرمایہ حیات کا ایک بڑا حصہ ہے۔ خوب لکھا ہے:

اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو ادب ایک ہمہ گیر قانون ہے جو کہ ایک تہذیب کا ناگزیر حصہ ہے۔ ادب نہ تو محض واردات قلبی کا نام ہے' نہ محض بیرونی انفعال انسانی کا۔ بلکہ یہ دونوں پر پوری طرح حاوی ہے۔ ادب معمار تمدن بھی ہے اور تعمیر تمدن بھی۔

اوپر ایک چھوٹا سا جملہ ہم چھوڑ آئے ہیں :

جمالیاتی شعور کو اجاگر کرنا' اس میں توازن' ہم آہنگی اور معیاری لطافت پیدا کرنا ادب ہے۔ ضمیر کو نفس امارہ پر بالادستی عطا کرنا' مذاق سلیم کی جلا کرنا' تہذیب و تمدن کے معیار کو بلند کرنا اس کا فرض منصبی ہے۔ ادب ہماری زندگی کے ایک ایک گوشے میں جھانکتا ہے۔ یہ ہماری خوشی کا بھی ساتھی ہے اور غم کا بھی۔

اور :

میں فن کی آڑ لے کر اسلامی اصول زندگی اور اصول اخلاق سے ہرگز انحراف نہیں کرنا چاہتا۔

(نعیم صدیقی)

عالمی تحریک اسلامی کے عظیم قائدین' حصہ اول : از افتخار احمد۔ ناشر: المیزان پبلشرز' المعصوم ٹاؤن' فیصل آباد۔ صفحات ۲۲۴۔ قیمت پیپر بیک ۱۱۰ روپے۔ لائبریری ایڈیشن ۱۵۰ روپے۔

پروفیسر افتخار احمد کا نام پاکستان میں اخوان المسلمون پر لکھنے والے کی حیثیت سے تحریکی حلقوں میں جانا پہچانا ہے۔ زیر نظر کتاب (جس کا دوسرا متوقع حصہ پاک و ہند کے قائدین کے تذکرے پر مشتمل ہو گا) کی پندرہ شخصیات میں سے سات کا تعلق اخوان المسلمون مصر سے ہے۔ان کے علاوہ حسن ترابی (سوڈان)، نجم الدین اربکان (ترکی)، راشد الغنوشی (تیونس)، عزت بیگووچ (بوسنیا)، اسماعیل فاروقی (امریکا) اور فلسطین سے متعلق امین الحسینی، شیخ احمد یٰسین اور عزالدین القسام کا ذکر ہے۔ (جہاد فلسطین کی بنیاد ڈالی)۔ الجیریا کی عدم موجودگی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ان شخصیات پر تحقیقی مطالعے نہیں بلکہ تذکرے ہیں جن میں اصل ماخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مطالعے سے حالات سے آگاہی ہوتی ہے اور ایمان میں اضافہ۔ حسن البنا شہید، عبد القادر عودہ شہید، سید قطب شہید (شہدا کا کیا عالی مرتبت سلسلہ ہے) اور زینب الغزالی کے تذکرے سے اس دور کے یاد تازہ ہو گئی اور ذہن میں دو سوال ابھرے۔ اول یہ کہ جمال ناصر جیسے جابر حکمرانوں کو ایسے کارندے کیسے مل جاتے ہیں جو اپنی قوم کے بہترین نیک لوگوں پر (جو بلا شبہ زمین کا نمک تھے) ایسے مظالم ڈھائیں جنھیں پڑھنے کا بھی یارا نہیں ہوتا۔دوسرے یہ کہ اب یہ کیا ہو گیا ہے کہ الجیریا، مصر اور معلوم نہیں کہاں کہاں، اسلام کا نام لینے پر سلسلہ مظالم جاری ہے لیکن ہمارے لیے یہ بس ایک خبر ہی ہے۔مناسب ردعمل سامنے نہیں آتا۔یہ کیسی عالمی تحریک اسلامی ہے؟

۱۹۵۶ میں الجزائر میں فرانسیسی فوج کی فائرنگ سے چند افراد کی ہلاکت کی خبر صبح کے اخبارات میں آئی تو ۱۰ بجے تک کراچی کے تمام کالجوں میں ہڑتال ہو گئی اور احتجاجی جلوس اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کے ناظم عمر چھاپرا کی قیادت میں فرانسیسی سفارت خانے تک پہنچ گیا۔ اگلے روز اخبار ڈان نے لکھا کہ طلبہ نے lightning strike کی۔ اب تو ذرائع و وسائل کی بہت بہتر صورت حال ہے۔ اب فیکس کا دور ہے مگر گورازدے کی ۴ ہزار لاشوں کی خبر ایسے ہی گزر گئی ---

اب اصل ضرورتیں دو ہیں : عالمی تحاریک اسلامی کا تحقیقی مطالعہ جو تحقیق کار خود متعلقہ ملک میں سال دو سال گزار کر کرے۔ اور دوسرے یہ کہ ان عظیم قائدین کا ذکر محدود حلقوں سے باہر نکلے اور زبان زد خاص و عام ہو۔ نئے نئے اشاعتی ادارے ایک ایک ہزار پر قناعت نہ کریں، اپنی کتابوں کو چند مکتبوں سے باہر نکال کر ہر بک اسٹال تک پہنچائیں اور ایسی پیاس پیدا کریں (جو موجود بھی ہے) کہ نوجوان ان کتابوں پر ٹوٹ کر گریں۔

افتخار احمد کی یہ کاوش لائق تحسین ہے۔ امید ہے وہ اس کا دوسرا حصہ بھی جلد منظر عام پر لائیں گے، جو برعظیم پاکستان و ہند کے قائدین کے تذکرے پر مشتمل ہو گا۔ (م - س)

ماسونیت: از محمد صفوت سقا امینی سعدی ابو حبیب، ترجمہ: عبدالوہاب حجازی۔ ناشر: ادارہ البحوث الاسلامیہ والدعوہ، جامعہ سلفیہ بنارس۔ صفحات ۲۴۰۔ قیمت درج نہیں۔

ماسونیت، فری میسنری کا ترجمہ ہے، جس کا نام تو عوام و خواص میں ایک ناپسندیدہ تحریک کی حیثیت سے معروف ہے، لیکن اس کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ محمد صفوت سقا امینی کی اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس تحریک کا آغاز مختلف آرا کے مطابق، حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں یا قدیم روم میں قدس کے گورنر ہیروڈس ثانی کے عہد میں یا چودھویں صدی عیسوی میں (۱۳۷۶ میں) ہوا۔ پیچیدہ باطنیت کی حامل یہ تحریک جن اصولوں کو اختیار کرنے کا اعلان کرتی ہے، درحقیقت انھی اصولوں کو دنیا سے ختم کرنے کی خواہاں نظر آتی ہے۔ اس تحریک کے بنیادی اصول حریت، مساوات اور اخوت مقرر کیے گئے ہیں لیکن، ہاتھی کے ان دانتوں کے پیچھے جو "اصول پوشیدہ" ہیں، ان میں شیطان اور مادے کو نور اور خیر کے الٰہ تسلیم کیا جاتا ہے، جو مذکورہ ظاہری اصولوں کے واضح نقیض ہیں۔

مصنف نے کتاب کو مختلف ابواب، نام اور تاریخ، اصول و ضوابط، ماسونیت اور ادیان، ماسونیت اور عالم وغیرہ میں تقسیم کیا ہے۔ ماسونیت اور ادیان کے باب میں مختلف ادیان اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ فری میسنریوں کے طرزِ عمل اور افکار کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تحریک دراصل یہودی فکر کی پیداوار ہے، خواہ اس کا قیام عہدِ موسیٰؑ میں ہوا ہو یا اس کے بعد۔ یہی بات علامہ رشید رضا مصری نے اپنے ایک فتویٰ میں بدیں معنی فرمائی تھی۔

یورپ میں رونما ہونے والے سیاسی انقلابات میں اس تنظیم کا زبردست اثر رہا ہے۔ انقلاب فرانس اور اس کے بعد عثمانی اور پرتگالی انقلاب بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے مؤسس اور اس میں کام کرنے والے یورپ میں نصاریٰ اور یہود ہیں، البتہ یہود ان کے قائد ہیں اور رازدانِ درونِ مے خانہ بھی، اس لیے کہ یورپ میں ماسونیت (فری میسنری) نے جن انقلابات کی کوشش کی ہے، یہودی سب سے زیادہ ان سے نفع اندوز ہوئے ہیں۔ یہی حال بلادِ عثمانیہ میں بھی رہا۔

زیرِ نظر کتاب میں مسلم حکومتوں کے زوال اور دنیا کے دیگر انقلابات میں فری میسنریوں کے اسی کردار کو پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں ضمیمے کے طور پر برطانوی وزیر خارجہ کے نام برطانوی سفیر کے ۲۹ مئی ۱۹۱۰ کے ایک خفیہ اور طویل خط کا مکمل متن بھی شامل ہے' جو اس موضوع پر ایک نہایت اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب میں فری میسنریوں کی مختلف اقسام' ان کے عقائد' ان کی زبان' کیلنڈر اور تقویم وغیرہ کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ کتاب اپنے محتویات کے اعتبار سے مجموعی طور پر معلومات افزا ہے لیکن اوّل سے آخر تک کتاب کے مخاطب کا تعین نہیں ہو پاتا کہ آیا یہ کتاب ایک عام آدمی کو اس تحریک کا تعارف کرانے کے لیے ہے یا ایک ایسے قاری کے لیے جو پہلے ہی اس تحریک کے اسرار و رموز سے آشنا ہے۔ اسلوب اور انداز بھی اسی دورنگی کا شکار ہے' بعض مقامات پر خوب دادِ تحقیق دی گئی ہے' لیکن بعض مقامات پر مصنف کا انداز سرسری ہے' مثلاً:

"یہ تحریک جب پھیل گئی تو فکرِ انسانی اس کے وقتِ قیام کی تحقیق میں تاریخ کے دفاتر الٹنے لگی' جو ایک سعیِ لا حاصل ہے۔ ہمارے لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ یہ تحریک روئے زمین کے کسی ایک غار میں قائم ہوئی' ہم نہیں جانتے کہ وہ غار کہاں واقع ہے اور یہ تحریک کب قائم ہوئی' اس کے ماں باپ اور اسے پروان چڑھانے والے کون ہیں؟" (ص ۴۱)

ظاہر ہے یہ انداز و اسلوب کسی تحقیقی کتاب کے شایانِ شان نہیں ہے' تاہم اردو میں اس موضوع پر یہ ایک مفید کاوش ہے۔ عبد الوہاب حجازی کا یہ ترجمہ' جو ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کی تقدیم و مراجع سے مزین ہے' عمرانیات اور سیاسیات و تاریخ کے دائروں میں کام کرنے والوں کے لیے راہنما ثابت ہو گا۔ (زاہد منیر عامر)

وادی کا خیال رکھنا: از نجمہ ثاقب۔ ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی' اردو بازار' لاہور۔ صفحات ۳۰۴۔ قیمت ۸۴ روپے۔

"مظلوم کشمیری مسلمانوں کی داستانِ حریت" پر مبنی ۲۰ افسانوں کا یہ مجموعہ ایک طالبہ کی کاوش ہے اور اس اعتبار سے جہاد بالقلم کی ایک اچھی مثال ہے۔ اپنے پہلے افسانوی مجموعے میں نجمہ ثاقب نے ایک باصلاحیت افسانہ نگار کی طرح تخیل' مشاہدے اور مطالعے کو دلچسپ اسلوب میں

پیش کیا ہے۔

زیرِ نظر افسانوں میں آزادی کی جدوجہد میں پیش آنے والے جملہ ممکنہ مراحل کی جھلک ملتی ہے۔ گذشتہ ۲ ' ۳ برسوں سے تحریک آزادیِ کشمیر کی جو تفصیل اخبارات و رسائل کے ذریعے سامنے آرہی ہے' افسانہ نگار نے ان واقعات اور صورتِ حال کو افسانوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ بھارتی فوج کے انسانیت سوز مظالم' تفتیشی مراکز میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات' گھر گھر تلاشی' مار پیٹ' لوٹ مار' بے حرمتی' قتل و غارت گری--- یہ سب محض اس لیے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں۔ نجمہ ثاقب نے تلخ اور تکلیف دہ حقائق کو مختلف کرداروں کے روپ میں ڈھالا ہے۔ ان کرداروں میں جذبہ جہاد سے سرشار دست بدست لڑائی کرنے والے بھی ہیں' حریت پسندوں کو اخلاقی اور روحانی سہارا دینے والے عام کشمیری باشندے بھی اور اس کے برعکس غدارانِ وطن بھی' شاید یہ طویل غلامی کا اثر تھا کہ آغاز میں بہت سے کشمیریوں کا رویّہ تحریکِ آزادی سے لاتعلقی کا تھا۔ مثلاً "جب میں نے کلاشنکوف اٹھائی" کا اقبال ان لوگوں میں سے تھا جو ہر حال میں "پر امن رہنا چاہتے ہیں"۔ اس کا سارا دن دفتر میں فائلوں کے ساتھ گزر جاتا' "یس سر' ٹھیک سر' ایسا ہی ہے سر' میری دنیا بس یہاں تک محدود تھی"۔ مگر بھارتی فوج اس کے پورے گاؤں سے سامانِ خورد و نوش جمع کر کے لے گئی۔ اور اسی پر بس نہیں' خواتین کی آبرو بھی محفوظ نہ رہی' تو اقبال نے بے اختیار ہو کر کلاشنکوف اٹھالی۔

جہادی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ افسانوں میں بھارت کی ان کوششوں کا بھی ذکر ہے جو وہ کشمیریوں میں مسلم تشخص کے خاتمے کے لیے کرتا رہا ہے۔ "روشنی کا سفر" اور "اعتراف" ایسے ہی افسانے ہیں۔

کتاب کی طباعت' سرورق اور جلد بندی کا معیار اطمینان بخش ہے' مگر کمپوزنگ میں رموزِ اوقاف کا خاطر خواہ خیال نہیں رکھا گیا۔ جہادِ کشمیر کے حوالے سے تخلیق ہونے والے ادب میں' یہ مجموعہ ایک اچھا اضافہ ہے۔ (ز - ج)

وضاحت

۱- ترجمان القرآن میں ترجیحاً "دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔

۲- تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

۳- تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔